فہمیدہ ریاض کی شاعری میں نسائی حسیّت

شکیل حسین سید۔ پی ایچ ڈی سکالر بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان
شازیہ یاسمین۔ ایم فل سکالر بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان
ڈاکٹر ظفر حسین ہرل۔ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Abstract:

Feminism was born in the West but it has its prominent impact on the world's literature. Its main goal is to win equal rights for women. The poetry of Fahmida Riaz is unique because of her feministic approach. She believes in the freedom of expression both in literature and practical life. She seems to be against all social and feministic exploitation of women on the one hand and favors Marxist ideas on the other. She follows the ideas of Sigmund Freud against the ethics of sex as imposed by the bourgeois kind. She is no doubt one of the greatest feminist writers in Urdu literature. This research paper explores the feministic sensibility of Fahmida Riaz in her poetry.

Key Words: Fahmida Riaz, Poetry , Feministic Sensibilty.

نسائی حسیّت کی اعلانیہ ابتدا کا تعین کرنا بے حد مشکل ہے لیکن یورپ میں صدیوں کی جہالت کے بعد خواتین میں علم کی روشنی سے سماجی بیداری کی بنا پر اپنے حقوق کا احساس بڑھنے لگا اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک بند گلی میں چل رہی ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق، یہ مردوں کی دنیا ہے اور مردوں کی قائم کردہ معاشرتی اقدار ان کے لیے ایک حصار سے کم نہیں۔ یہ صورتحال خواتین کے لیے انتہائی ناخوشگوار تھی جس سے وہ بہر حال باہر نکلنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے صنفی مساوات اور عام انسانی حقوق سے خود کو محروم پایا۔ اب ان کے حقوق کی بازیافت کی لگن دنیا بھر میں ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی اور عورت نے محسوس کیا کہ وہ اپنے وجود کی انفرادیت کا نقش قائم کر کے اور تاریخ سے اپنا حق مانگ کر رہے گی (۱)۔ انگریزی لفظ Feminism کے متبادل کے طور پر نسائیت/تانیثیت کی اصطلاحیں مروج ہیں۔ فیمینزم کے اصطلاحی معنی عورتوں کے بحیثیت انسان مساوی حقوق تسلیم کرنے کے ہیں۔ اسٹینفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی کے مطابق:۔

> ''Feminisim is both an intellectual commitment and political movement that seeks justice for woman and the end of sarcasm of all forms.''(۲)

یورپ میں انیسویں صدی کے وسط تک فیمینزم (نسائیت) کی اصطلاح خواتین کی خصوصیات کے لیے استعمال ہوئی تھی لیکن پیرس میں ۱۸۹۲ء میں منعقد ہونے والی، بین الاقوامی خواتین کانفرنس میں فرانسیسی اصطلاح ''Feministe'' انگریزی میں باقاعدہ طور پر عورتوں کے لیے برابری کے حقوق، انفرادی شناخت اور انصاف کے لیے استعمال کی جانے لگی۔ نسائی ادب اس اصولی جدوجہد کا نام ہے جو فیمینزم کے اصولوں کے

تحت کی گئی ہے یعنی ہر وہ ادب پارہ جس کا محور عورت کے لیے معاشرے میں مساوی حقوق کی جدوجہد ہو نسائی ادب میں شمار ہوتا ہے۔اسی لیے نسائی ادب نسائیت کی تحریک کو بہتر طور پر سمجھنے میں معاون کردار ادا کرتا ہے(۳)۔

نسائیت کی تحریک نے مغرب سے جنم لیا تھا مگر ساری دنیا کے ادب پر اس کے واضح اثرات نمایاں ہیں۔انگریز ناول نگار ورجینا وولف نے اپنی تصنیف (A room of one's own) میں پہلی مرتبہ نسائی شعور کا اظہار کیا،فرانسیسی ناول نگار اور مفکر سیمون ڈی بوار کی فلسفیانہ تخلیق (The Second sex) کسی خاتون تخلیق کار کا اس موضوع پر پہلا معتبر کام قرار دیا جاتا ہے۔دور حاضر میں ژولیا کرسٹیوا، لیوس ایری گیر نے، اور ہیلن شیروس (Helen Cixous) نسائی شعور کے افق پر نمودار ہونے والے معتبر نام ہیں جنھوں نے نسائی فکر کی نئی جہتوں کی نشاندہی کی ہے۔ نسائیت کی پوری تحریک اور نسائی تنقید دراصل نسائی ادب کے متوازی افق کی دریافت ہے۔

اردو ادب میں خواتین کی موجودگی کا سراغ اردو زبان کے ابتدائی دور سے ملتا ہے۔اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ماہ لقا چندا بائی اٹھارویں صدی میں شاعری کر رہی تھیں۔ابتداء میں خواتین شاعرات میں نمایاں نام زخ ش (زاہدہ خاتون شیروانی) راجہ پنہاں، بلقیس جمال، کنیز فاطمہ، صفیہ شمیم ملیح آبادی ہیں(۴)۔جدید شاعری میں باضابطہ خواتین کی شمولیت کے آغاز کا سہرا ادا جعفری کے سر ہے۔ادا جعفری کی شاعری میں روایت کا شعور اور نئے طرز احساس کا ایک ایسا امتزاج ملتا ہے جس نے انہیں ہم عصر لکھنے والوں میں ممتاز کیا وہ پہلی شاعرہ ہیں جنھوں نے نسائی ادب کو significant بنایا(۵)۔آئندہ آنے والوں میں کشور ناہید نے واضح طور پر نسائی ادب کی ترویج کی اور اسے متعارف کرانے میں موثر کردار ادا کیا ۔واضح شعور اور ادراک کے ساتھ اپنی شاعری میں ان سماجی رویوں پر احتجاج کیا جن کا شکار آج کی خواتین تھیں(۶)۔

ہے ری میا
سب سچے ہیں
سارے سیانے سچ لکھے ہیں
پر میا
میں کاغذ کا پھول نہیں ہوں
میں کاغذ کی ناؤ نہیں ہوں
میرے سچ کو کاغذ کی دنیا سے باہر لاؤ
ورنہ برسوں بعد بھی بیٹھی
یہی کہو گی
وہی سڑک ہے وہی ہے گھونگھٹ
اور سڑک پر روڑے کوٹتی وہی ہے عورت۔(نظم 'سچ آنگن کی بینا بولے'، دشت قیس میں لیلیٰ، ص ۱۲۶۷)

نسائی ادب کی اس توانا روایت میں فہمیدہ ریاض معتبر حوالہ ہیں۔وہ اپنی شاعری میں نسائی حسیت کے ادبی اظہار کی بنا پر منفرد مقام رکھتی ہیں۔ان کا پہلی شعری مجموعہ 'پتھر کی زبان'، ۱۹۷۷ء میں منظر عام پر آیا۔ان کی شاعری ایک نئے طرز احساس کی جانب سفر کرتی نظر آتی ہے جس میں عورت اپنے مکمل وجود کے احساس کے ساتھ نمایاں ہے۔اس مجموعے میں رومانوی کرب کی کیفیت غالب ہے۔یہاں ہماری ملاقات ایک ایسی نوعمر

لڑکی سے ہوتی ہے جس کے لیے زندگی ایک پرشوق سفر ہے اور پوری دنیا ایک جہان تازہ ہے جہاں قدم قدم پر لذت و مسرت کے چشمے ابلتے ہیں۔ وہ اپنے پورے حواس بلکہ اس جسم کے روئیں روئیں کے ساتھ زندہ ہے اور یقین رکھتی ہے کہ کائنات اسی کے لیے تخلیق کی گئی ہے(۷)۔ ''بیت چلی اداس شام''، ''بیٹھا ہے میرے سامنے وہ''، ''جب نیند بھری ہو آنکھوں'' اور ''دل کی بات'' رومانوی طرز احساس کی حامل نظمیں ہیں۔ مگر وہ اس سوسائٹی سے خائف ہے جہاں محبت ایک جرم ہے اور اس جرم کی کڑی عقوبت صرف عورت کے لیے ہے۔ شاعرہ کے دلی خوف کا یوں اظہار ہوتا ہے:

کہیں سنہرا وصل نہ دمکے
ٹوہ میں رہتی ہے سب دنیا
بول نہ اٹھیں دشمن گھنگھرو
بات کھلے گی، مجھ کو مت چھو۔ (نظم 'خوشبو'، کلیات سب لعل و گوہر، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۰)

فہمیدہ نے اپنی کئی نظموں میں اس کھیل کے خلاف آواز اٹھائی جو عشق کے نام پر عورت سے کھیلا جاتا ہے۔ وہ جسمانی آرزوں کو اشیائے صرف بنانے کا پردہ چاک کرتی ہیں جن میں عورت کو گڑیا کی طرح گونگا اور بے جان بننے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سیمون ڈی بووا کے خیال کے مطابق عورت یا لڑکی گڑیا کی مانند ہے وہ گڑیا سے کھیلنا پسند کرتی ہے کیونکہ وہ بے جان ہے۔ بلاشبہ لڑکی کا یہ رویہ اس کی اپنی سوچ سے نہیں مردانہ تغلب کی سوچ سے ترکیب پاتا ہے جو رفتہ رفتہ عورت کی نفسیات پر گہرے نقوش ثبت کر جاتے ہیں۔

> ''بچی گڑیا کے ساتھ باتیں کر کے اپنے اور اس کے درمیان عینیت کی علامات دکھاتی ہے لیکن یہ انسانی چہرے والا چھوٹا سا مجسمہ ہوتا ہے یا پھر چہرے کے بغیر گندم کی ایک بالی یا حتیٰ کہ لکڑی کا ایک ٹکڑا جو نہایت تسکین دہ طور پر لڑکی کے لیے اس ثنیٰ اس فطری کھلونے لنگ کا کام دیتا ہے۔ بنیادی فرق تو یہ ہے کہ ایک طرف تو گڑیا سارے جسم کی نمائندہ ہے اور دوسری طرف یہ ایک 'مجہول' (passive) شے ہے۔ اس حوالے سے بچی اپنی پوری شخصیت کو ایک طے شدہ بے جان چیز سے شناخت کرنے اور سمجھنے پر مائل ہوگی(۸)۔''

فہمیدہ ریاض کی نظم ''گڑیا'' مردانہ اجارہ داری پر مبنی معاشرے میں عورت سے روا رکھے جانے والے سلوک کی عکاس ہے جو قوت گویائی، سماعت اور بصارت سے محروم کر دی گئی ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

بٹوا جیسے ہونٹ ہیں اس کے
اور رخساروں پر سرخی ہے
نیلی آنکھیں کھولے، بیٹھی تاک رہی ہے
جب جی چاہے کھیلا اس سے
الماری میں بند کرو
یا
طاق پر رکھوا سے سجا کر۔ (سب لعل و گوہر، ص ۵۸)

فہمیدہ ریاض 'پتھر کی زبان' کی نرم و نازک شاعری کے بعد جب 'بدن دریدہ' کی کھری اور سچی شاعری کے ساتھ نمودار ہوئیں تو وہ دریدہ بدن سے زیادہ دریدہ دہن گردانی گئی کیونکہ بدن کے لفظ استعمال کرنے کا حق تو صدیوں سے مردوں نے محفوظ رکھا تھا۔ یہ کون تھی جو مستور نہیں رہنا چاہتی تھی اور اپنے آپ کو آشکار کر رہی تھی (۹)۔ وہ لکھتی ہیں:

کلکاری بھرتے سبزے کو
شوخ ہوا گدگدا رہی ہے
میں بھی اپنے پنکھ جھٹک کر
پر تولوں اور بھروں اڑانیں
اپنے بدن میں خود کھو جاؤں
یہ تن کا آکاش یہ دھرتی
دھیرے دھیرے پھیل رہے ہیں۔ (سب لعل و گوہر، ص ۹۵)

فہمیدہ ریاض کے ہاں دوئی کی خواہش فطری ضرورت کی حامل قوت سے نمو پاتی ہے۔ ان کے ہاں جنسی بیان سستی لذت کا حامل نہیں ہے یہ ایک قوی توانا جذبہ ہے جو منفی خواہش کی بجائے مثبت جواز رکھتا ہے۔ فاروق عثمان کے مطابق:

''فہمیدہ ریاض کی شاعری اگر جذبات اور احساسات کے اظہار کی منزل پر ہی رک جاتی تو یقیناً وہ ایک ٹین ایج گرل کی شاعری سے مختلف نہ ہوتی جذبہ ان کے ہاں لاشعور میں شعور کی کرن بن کر پھوٹتا ہے اور وہ جب اسے پورے زمانی اور فکری تسلسل کے پس منظر میں قبول کرتی ہیں تو جنس مرکزی حیثیت اختیار کر جاتی ہے (۱۰)''۔

اس کے ثبوت میں ان کی ایک نظم کا یہ بند زیادہ بامعنی انداز میں کلام کرتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

زبانوں کے رس میں یہ کیسی مہک ہے!
یہ بوسہ کہ جس سے محبت کی صہبا کی اڑتی ہے خوشبو
یہ بدمست خوشبو جو گہرا، غنودہ نشہ لا رہی ہے
یہ کیسا نشہ ہے!
مرے ذہن کے ریزے ریزے میں ایک آنکھ سی کھل گئی ہے۔ (سب لعل و گوہر، ص ۱۲۷)

فہمیدہ ریاض کی شاعری میں عورت اپنی تمام حیاتیاتی اور نفسیاتی پرتیں کھولے ہوئے کبھی ایک حاملہ کے روپ میں تو کبھی جنسی فعل میں شریک ایک فریق کی حیثیت سے ایک جیتا جاگتا فرد جس کی خواہشات اور جذبات عین فطرت ہیں، نظر آتی ہیں۔ یہ حوصلہ اور قوت اظہار صرف ان کا ہی حصہ ہے۔ دراصل ادبی جمالیات کی بنیادی خوبی فنی اظہار کے کمال اور Sensousnes کا انتہائی متناسب امتزاج ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق: ''فہمیدہ ریاض کی نظموں میں عورت کے حوالہ سے جنسی فعل کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ واضح بھی ہے اور sensous بھی، لیکن اس میں فحاشی اور ابتذال نہیں'' (۱۱)۔'' گویا ان کو احساس ہے کہ معاشرتی اقدار کی پاسداری بہر صورت لازم ہے۔

روایتی معاشرتی اقدار کے نمایاں اظہار فنون لطیفہ میں ہونا ناگزیر ہے۔ان اقدار کے زیر اثر صدیوں سے عورت کا جسم ادیب، شاعر، مصور اور مجسمہ ساز کے لیے موضوع رہا۔ یہاں وہ کچھ دنیا کے سامنے آیا جو بظاہر نظر آ رہا تھا۔عورت جو کچھ سوچتی ہے اس کی طرف کم ہی توجہ دی گئی ہاں کبھی عورت کا مکمل وجود اور اس کی سوچ وفکر اگر موضوع بنی تو تمسخر کے ساتھ۔یہی تناظر آج کی عورت کے لیے سوہان روح ہے۔وہ اپنے اعصابی وجود کی بجائے عصبی وجود کی پہچان کی متلاشی رہی۔فہمیدہ ریاض نے اپنی نظم ''مقابلہ حسن'' میں اس رویے پر شدید ردِعمل کا اظہار کیا ہے:

کولہوں میں بھنور جو ہیں تو کیا ہے
سر میں بھی ہے جستجو کا جوہر
تھا پارہِ دل بھی زیرِ پستاں
لیکن مرا مول ہے جوان پر
گھبرا کے نہ یوں گریز پا ہو
پیمائش میری ختم ہو جب
اپنا بھی کوئی عضو ناپو۔(سب لعل وگوہر، ص۱۳۲)

نسائی حسیت کے ساتھ فہمیدہ ریاض کی شاعری میں عصری شعور کی موجودگی اور اس کا اظہار اس بات کا غماز ہے کہ وہ عورت یا مرد کی تخصیص کے بغیر ایک حساس تخلیق کار ہیں۔عصری شعور کے اسی اظہار کی سزا کے طور پر اس نے اپنے بچوں کے ہمراہ ہندوستان میں جلاوطنی کے سات سال گزارے لیکن کھرے اور سچے فن کار کی طرح اپنے موقف پر قائم رہیں۔ان کی نظم ''۲۳/مارچ ۱۹۷۴ء'' ملکی انتشار اور مسموم سیاسی ریشہ دوانیوں کا عمدگی سے پردہ چاک کرتی ہے۔وہ لکھتی ہیں:

چار سو ہے بڑی دہشت کا سماں
کسی آسیب کا سایہ ہے یہاں
کوئی آوازسی ہے فاتحہ خواں
شہر کا شہر بنا گورستاں
ایک مخلوق جو بستی ہے یہاں
جس پہ انساں گذرتا ہے گماں
خود تو ساکت ہے مثالِ تصویر
جنبش غیر سے ہے رقص کناں۔(سب لعل وگوہر، ص۱۸۹)

فہمیدہ ریاض کا شعری مجموعہ ''دھوپ''، نظم ''اکیلا کمرہ''، ''کیا تم پورا چاند دیکھو گے''، میں دوسرا، چوتھا پانچواں باب اور ہم رکاب میں شامل نظم ''مغرور'' ان کے عمیق سیاسی شعور کی ترجمان ہیں۔ان تمام نظموں کے موضوعات مارشلا کے گھٹن زدہ نظام کے خلاف پرزور احتجاج کے خلاف اور سچی شاعرہ ہونے کے فرض کی تکمیلیت پر دلالت کرتے ہیں۔وہ لکھتی ہیں:

میرا سینہ!

جو گہوارہ ہے ان حسین گلابوں کا
جو کل تمہارے بچوں کے سینوں میں خیال بن کر کھلنے والے تھے
تم نے الٹا لٹکا دیا زمانوں کے علوم کو
تم نے انسانیت کو برہنہ کر کے کوڑے مارے
اور درمند دلوں سے اٹھتی دعاؤں کے ہاتھ کاٹ دیے
کیوں؟
آخر کیوں؟ (سب لعل و گوہر، ص ۲۸۱)

شاعر چونکہ معاشرے کا حساس طبقہ ہوتے ہیں اس لیے ہر حساس انسان کی طرح اندر سے نسبتاً کچھ زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے۔ فہمیدہ ریاض نے آمریت کے دور میں جو کچھ محسوس کیا وہ سب کچھ اس طویل نظم میں بیان کر دیا۔ یہ رزمیہ بھی ہے اور جابر قوتوں سے ٹکر لینے کا عزم بھی ہے (۱۲)۔ ان کے ہاں پدری نظام پر قائم معاشرے کی ناہمواریوں کا بیان، عورت کے ساتھ صنفی اور جنسی امتیاز ان کو مردانہ معاشرے کے خلاف آواز اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ 'آدمی کی زندگی' میں لکھتی ہیں:

مگر آہ، اس میں نئی بات کیا ہے!
وہ عورت تھی ہم جنس سب عورتوں کی
سدا جس پہ چابک برستے رہے ہیں
جو ہر دور میں سر بریدہ مسانوں میں لائی گئی ہے
کبھی بھینٹ بن کر پتی ورتا کی چتا پر چڑھائی گئی ہے
کبھی ''ساحرہ'' کا لقب دے کر زندہ جلائی گئی ہے۔ (سب لعل و گوہر، ص ۴۷۲)

بلاشبہ مرد کی معاشرتی حیثیت مسلم ہے وہ جسمانی حوالے سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس لحاظ سے فہمیدہ ریاض کے ہاں عملی زندگی میں مرد کو مثبت مقام دینے اور اس کی اہمیت اور اس کی حیثیت کے صحیح ادراک کا رویہ اہم ہے۔ عورت کی معاشرتی ذمہ داریاں بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں لیکن وہ خود کو صرف قبیلے کی نسلوں کو آگے بڑھانے کا آلہ سمجھنے کی بجائے آزاد فرد، جو اپنی ذہانت اور قابلیت پر دلالت کرتی ہیں، سمجھتی ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

> ''ملایت، جبر اور گھٹن کی پیدا کردہ ذہنی پسماندگی کی فضا میں تخلیقی سفر طے کر رہی ہیں پاکستانی مردوں کے تنگ نظر معاشرے میں فہمیدہ ریاض اپنی نسوانیت سے خوفزدہ ہونے کے برعکس اسی کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنا کر اپنی شرائط پر زندگی بسر کر رہی ہے جو کہ بذاتِ خود بہت بڑا جہاد ہے (۱۳)''۔

اس تناظر میں معروف مفکر سیمون ڈی بوار لکھتی ہیں:

> ''ہمارے ایسے لاتعلق معاشروں میں اخلاقیات کا تصور ایک نامکمل مفروضہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایک ایسی دنیا کی تشکیل میں سرگرم عمل ہوں جو عدم مساوات کی لعنت سے مبرا ہو۔ ایک ایسی

دنیا ہی سچی اخلاقیات کو فروغ دے سکتی ہے۔ بے شک یہ خیال افلاطونی جنت جیسا ہے لیکن یہی ایک
سیدھا اور سچا راستہ ہے۔ فہمیدہ اپنے حصے کی یوٹوپیا بنانے میں مصروف ہیں'' (۱۴)

''اے والی رب کون و مکاں''، ''میگھ دوت''، ''باکرہ''، ''مقابلہ حسن''، ''زبانوں کا بوسہ''، ''ابد'' اور ''لاؤ ہاتھ اپنا لاؤ ہاتھ ذرا'' جیسی نظموں کے حوالے سے مردانہ تعصب کی مریضانہ جنسیت کے حامل نقاد شعور جنس کو مثبت اور فطری ضرورت کی بجائے فحش، عریان اور جنسی جذبے کی شدت سے آرزومند عورت کا الزام لگاتے ہیں (۱۵)۔ یہ نقاد عام طور پر ''خانہ تلاشی''، ''کوتوال بیٹھا ہے''، ''کیا تم پورا چاند نہ دیکھو گے'' اور ''نینا عزیز'' ایسی نظمیں جو جبر کے دور کی دلخراش گواہی ہیں کو بھول جاتے ہیں۔ یہ نظمیں کسی رزمیہ کی مانند ہیں جو کسی بھی عالمی ادب کے مقابل ہو سکتی ہیں۔ ان خداوندان ادب کو فہمیدہ ریاض کا آخری مجموعہ کلام ''آدمی کی زندگی'' جو انسان کی ذات پر ایک نغمگی سے مملو مگر تلخ تبصرہ ہے اور جو عصری شعور کا غماز ہے انہیں نظر کیوں نہیں آتا۔

''فہمیدہ ریاض بلاشبہ اردو شاعری کی فروغ فرخ زاد ہیں وہ آزادی اظہار کی قائل ہیں اور اس پر عمل بھی کرتی نظر آتی ہیں۔ وہ صرف ادب میں ہی نہیں عملی طور پر نسائیت کی تحریک سے وابستہ ہیں۔ معاشرے سے وابستگی ان کی گہری ہے ان کا سماجی شعور ان کی تحریروں میں نمایاں ہے۔ ایک طرف وہ طبقاتی اور نسائی استحصال کے خلاف مارکسی نظریات سے متاثر نظر آتی ہیں تو دوسری طرف وہ بورژوا مردوں کی عائد کردہ جنسی اخلاقیات کے خلاف فرائیڈ کے نقطہ نظر سے بھی قریب ہیں۔ وہ بلاشبہ آج کی سب سے بڑی فیمینسٹ ادیبہ اور شاعرہ ہیں (۱۶)۔ بظاہر فہمیدہ ریاض کے ہاں احتجاجی رنگ اور تلخی بیان کا تاثر نظر آتا ہے دراصل یہی رنگ ان کی نسائی حسیت کے موزوں اظہار کا ذریعہ بنتا ہے۔ مروج اقدار اور صدیوں سے قائم روایات سے بغاوت کی قوت صرف اس صورت میں ہی ممکن ہوتی ہے جب لہجہ کڑا اور انداز بیان احتجاجی ہو۔ ان کی شاعری کا یہ مختصر تجزیہ ان کی نسائی حسیت کا اجمالی اظہار ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ضمیر علی، بدایونی، ''مابعد جدیدیت کا دوسرا رخ''، شہرزاد، کراچی، ۲۰۰۶ء، ص ۶۵

۲۔ Standford Encyclopedia of Philosophy, (3rd March 2011)
www.plato-standford.edu/hegel.com

۳۔ صوفیہ یوسف، ڈاکٹر، ''جدید اردو ادب اور نسائی رجحانات''، مشمولہ، معیار، شمارہ-۵، جنوری-جون ۲۰۱۱ء، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۳۵۳

۴۔ فاطمہ حسن، ''فیمینزم اور ہم''، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۵ء

۵۔ ایضاً، ص ۹۱

۶۔ ایضاً، ص ۹۵

۷۔ خالدہ حسین، ''نسائی خود شناسی اور فہمیدہ ریاض''، مشمولہ، سب لال و گوہر، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۵۷

۸۔ سیمون دی بواد (The Second Sex)، مترجم، یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۳۴۳

۹۔ فاطمہ حسن، ڈاکٹر، ''کتاب دوستاں''، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص ۱۳۳

۱۰۔فاروق عثمان، ڈاکٹر، ''نکاتِ نظر''، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۹۸ء، ص۱۱۴
۱۱۔سلیم اختر، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، ایڈیشن ۱۹، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۷
۱۲۔راشدہ لطیف، ''فہمیدہ ریاض کے طویل نظمیے، کیا تم پورا چاند نہ دیکھو گے کا فنی و فکری جائزہ''، مشمولہ نقاط، نظم نمبر، شمارہ-۱۰، اکتوبر ۲۰۱۱ء، فیصل آباد، ص ۶۷
۱۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''فلیپ: میں مٹی کی مورت ہوں''، فہمیدہ ریاض، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء
۱۴۔شاہین مفتی، ڈاکٹر، ''اردو نظم میں وجودیت''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۴۳۴
۱۵۔انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو نظم میں صنف نازک کے جنسی رجحانات''، مشمولہ، اختلافات، مکتبہ اردو زبان، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۲۶-۲۱۵
۱۶۔ضمیر علی، بدایونی، ۲۰۰۶ء، ص ۸-۷۷